محمدابوبکر فاروقی*
عنبرین امجد**

ممتاز شیریں کی منٹو شناسی

Mumtaz Shirin's Perspective on Manto

Abstract:

Mumtaz Shirin is considered among the critics of first rank. She studied Urdu fiction in the vast background of Western literature and gave very deep insight into the criticism of urdu literature. On the topic of Manto wrote valuable criticism in Urdu and different critics expressed their respected opinions. Here in this article an effort has been made to present researched analysis of critical views of Mumtaz Shirin on Manto so that an awareness may come about as such.

Keywords: Mumtaz Shireen, Sadat Hassan Manto, Manto Studies, Perspective, Flawed Human, Mythology, psychology, Fiction, Urdu Short Story, Critical Analysis.

ممتاز شیریں(۱۹۲۴ء-۱۹۷۳ء) اردو تنقید کے اُن ممتاز ناقدین میں شمار ہوتی ہیں جنھوں نے افسانوی ادب کی تفہیم اور تجزیے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی تنقیدی بصیرت کا ایک اہم پہلو سعادت حسن منٹو(۱۹۱۲ء-۱۹۵۵ء) کے فن اور شخصیت کا غیر جانب دارانہ مطالعہ ہے۔ ممتاز شیریں نے منٹو کو محض ایک متنازع افسانہ نگار کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ انہیں انسانی نفسیات، سماجی حقیقت اور عہد کی پیچیدگیوں کے حساس ترجمان کے طور پر پرکھا۔ منٹو کے بارے میں ممتاز شیریں نے جو بنیادی مؤقف اختیار کیا وہ یہ ہے کہ اپنی ابتدائی تخلیقات میں یا تقسیم سے قبل منٹو کے ہاں فطری انسان کا تصوّر ملتا ہے اور تقسیم کے بعد منٹو کے فن میں تغیر آتا ہے اور اب اس کے ہاں فطری انسان کے بجائے نامکمل انسان کا تصوّر جنم لیتا ہے اور اس کی نمائندہ مثال وہ "بابو گوپی ناتھ" کو قرار دیتی ہیں کہ:

"بابو گوپی ناتھ" کے ساتھ ہم اس موڑ پر آ گئے ہیں جہاں سے منٹو کے انسان کا تصوّر بدلا ہے اور جہاں منٹو کا

فطری انسان نامکمل انسان بن جاتا ہے۔ نامکمل انسان۔ جو بہ یک وقت اچھائیوں اور برائیوں، پستیوں اور بلندیوں کا مجموعہ ہے۔[۱]

فطری انسان فطری جبلتوں کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے وہ سماجی قید و بند کا پابند رہنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سماج کی مروجہ اقدار اور اخلاقی بندشیں فطری جبلتوں کے آگے رکاوٹ پیدا کرتی ہیں جس کی وجہ سے فطری انسان گھٹن اور کج روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ممتاز شیریں نے منٹو کے ہاں اس فرسٹیٹڈ انسان کا سراغ بھی لگایا اور اسے خالص فطری انسان کی بجائے کج رو، فرسٹیٹڈ یا گم راہ فطری انسان سے موسوم کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے منٹو کے افسانوں "سوراج کے لیے"، "بانجھ"، "ڈرپوک"، "پانچ دن" اور "میرا نام رادھا ہے" کے کرداروں سے مثالیں پیش کی ہیں۔ خالص فطری انسان، ممتاز شیریں کو "ٹیڑھی لکیر"، "بُو"، "شغل"، "نعرہ" اور "نیا قانون" میں ملتا ہے۔ ممتاز شیریں، منٹو کے سیاسی انسان کو بھی فطری انسان ہی کا پرتو سمجھتی ہیں۔ اس ضمن میں ان کا خیال ہے کہ:

> منٹو کی تحریروں میں کہیں کہیں سیاسی انسان کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ چناں چہ ابتدائی دور میں جب منٹو پر روسی ادب، خصوصیت سے گورکی کا اثر تھا مثلاً "شغل"، "نعرہ" اور "نیا قانون" وغیرہ میں سیاسی انسان موجود ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ فرق سطحی ہے کیوں کہ منٹو کا یہ سیاسی انسان بھی فطری انسان ہی کا پرتو ہے۔[۲]

منٹو کا سیاسی انسان، فطری انسان کا پرتو کیسے ہے؟ اس کے لیے ممتاز شیریں "شغل"، "نعرہ"، اور "نیا قانون" کے کرداروں کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ برآمد کرتی ہیں:

> منٹو کے ان سب کرداروں میں سیاسی انسان کے اجتماعی شعور سے زیادہ ان کی انفرادیت اور ان کی اپنی 'انا' کام کرتی ہے۔ سردار جعفری کا یہ کہنا کہ ان افسانوں میں منٹو نے ایسے کردار پیش کیے ہیں جن سے سرمایہ داری نظام نے ان کی انسانیت چھین لی ہے، کچھ الٹی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ منٹو نے تو دراصل ان افسانوں میں مختلف حالات و واقعات کے تحت انسان کی اصل فطرت کو ابھارا ہے۔[۳]

ممتاز شیریں ادبی تنقید کے اس خیال سے متفق نہیں کہ فن کار اپنے کرداروں میں کسی سے نفرت اور کسی سے محبت نہیں کرتے اور ان کے لیے سارے کردار ایک سے ہوتے ہیں کیوں کہ وہ سب ان کی مخلوق ہوتے ہیں۔ شیریں کا کہنا ہے کہ اسے ہم کوئی کلیہ نہیں بنا سکتے اس لیے وہ کہتی ہیں کہ "ممی سے، شیام سے، بابو گوپی ناتھ سے منٹو کو محبت ہے۔ اور اگر منٹو اپنے کسی کردار سے بے پناہ نفرت کرتا ہے تو وہ راج کشور ہے"[۴]۔

راج کشور، ممتاز شیریں کی نظر میں وہ سماجی انسان ہے جو ڈی۔ ایچ۔ لارنس (D. H. Lawrence۔۱۸۸۵ء-۱۹۳۰ء) کی

تعریف کے مطابق اپنی فطری معصومیت اور آزادی کے جوہر کو کھو بیٹھا ہے اور اس سے ایسی کوئی لغزش نہیں ہو سکتی جس سے وہ سماج کی نگاہ میں قابل ملامت ٹھہرے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ یہ انسان اپنی "سماجی شرافت" کے باوجود بڑا ذلیل اور حقیر ہوتا ہے۔ اسی لیے بقول ممتاز شیریں: "منٹو نے اپنی طنز کے زہر میں بجھے ہوئے تیر اس 'سماجی ہستی' کے جسم میں پیوست کیے ہیں"[۵]۔

اب جو صورت حال سامنے آتی ہے وہ یہ کہ راج کشور جو ظاہری پاکیزگی کا خول چڑھائے ہوئے ہے، منٹو اس کا گندہ باطن عیاں کرتا ہے جب کہ بابو گوپی ناتھ جو بظاہر بد کرداری کا لیبل لیے ہوئے ہے، منٹو اس میں ایک پاکیزہ اور نیک روح تلاش کر کے دکھاتا ہے۔ اور یہ ہی منٹو کا اصل مسئلہ ہے۔ وہ ممی، شیام، جانکی، موذیل اور بابو گوپی ناتھ جیسے کردار پیش کر کے سماج کی مروجہ اخلاقی اقدار کے معیار کو چیلنج کرتا ہے۔ وہ دکھاتا ہے کہ سماجی اقدار راج کشور جیسے کھوکھلے اور منافقانہ کرداروں کی پروردہ ہوتی ہیں۔ ممتاز شیریں اس حوالے سے منٹو کے انسان اور کرداروں کو نہیں دیکھتیں۔ لیکن وہ منٹو کو ایک اخلاقی فن کار ضرور مانتی ہیں۔ لکھتی ہیں:

> منٹو نے بدی کی دنیا تخلیق کی کیوں کہ وہ ایک اخلاقی فن کار تھا اور منٹو کے فن کا کمال یہ تھا کہ۔۔۔ گرے ہوئے کرداروں کے لیے منٹو نے ہمارے دل میں محبت اور ہمدردی پیدا کی"[۶]۔

اگر ہم ادبی گروہ بندیوں اور ترقی پسند ادب اور پاکستانی ادب کے درمیان اس دور کی محاذ آرائی سے صرف نظر کر کے صرف ممتاز شیریں کے لکھے ہوئے مضامین کو نظر میں رکھیں تو منٹو کی طرف ان کے متوجہ ہونے کی اصل وجہ منٹو کے افسانوں میں نامکمل انسان کے تصوّر کا در آنا ہے۔ ممتاز شیریں ادب میں نہ تو فطری انسان کے تصوّر کو کچھ زیادہ قابل اعتنا سمجھتی ہیں اور نہ انسان کے سیاسی اور سماجی تصوّر کو، کیوں کہ وہ فطری اور سیاسی یا سماجی انسان کو بڑے ادب کا انسان نہیں گردانتیں۔ اگرچہ بظاہر ممتاز شیریں کے مضامین سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ منٹو کے فطری انسان کو بھی کسی حد تک سراہ رہی ہیں لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ منٹو کے ہاں نامکمل انسان کی تحسین کرتی ہیں اور اس کے لیے بابو گوپی ناتھ کو اس کی نمایاں مثال قرار دیتی ہیں۔ اور اس نامکمل انسان ہی کو بڑے ادب کا انسان متصوّر کرتی ہیں۔ ممتاز شیریں فطری اور سیاسی انسان پر نامکمل انسان کو کس قدر فوقیت دیتی ہیں اور ہمارے مندرجہ بالا مؤقف کا ثبوت کیا ہے؟ اس کے لیے درج ذیل اقتباس تقویت کا باعث ہو گا۔ لکھتی ہیں:

> انسان کے فطری اور سیاسی۔ دونوں تصوّر انسان کو اپنی فطرت میں بالکل معصوم مانتے ہیں اور سیاسی برائی اور ابتری کو خارجی ماحول سے منسوب کرتے ہیں۔۔۔ (بے شک) انسانی کردار پر اثر انداز ہونے اور انسانی زندگی کو بنانے میں خارجی ماحول اور مروجہ نظام زندگی کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن انسان ایسا کچا تو نہیں کہ خارجی ماحول جس طرح ڈھالے، ڈھل جائے۔ فطری انسان کے تصوّر میں انسان بہت سیدھا سادہ اور خام بن جاتا ہے۔ نامکمل انسان اپنی فطرت میں پیچیدہ ہے۔ اس میں اچھائی برائی، پستی بلندی، قوت اور کمزوری ایک ساتھ پائی جاتی ہے۔ اس کے اندر ان متضاد پہلوؤں میں تصادم اور اندرونی کش مکش جاری رہتی ہے۔ اسے بڑی حد تک

اپنی نیکی اور بدی پر خود اختیار ہے اور اس کے اندر وہ قوت موجود ہے جس سے وہ اپنی کم زوریوں پر فتح پا کر بلند ہو سکتا ہے، اپنی زندگی آپ بنا سکتا ہے۔ اور نامکمل وجود کی تکمیل میں کوشاں رہ سکتا ہے۔ اس کے سامنے بلند و بالا اقدار ہیں۔ ان کے معیار پر اپنے آپ کو جانچنے، اپنی ناتکمیلی کا شعور رکھنے اور اپنی تکمیل کی جدوجہد کرنے والا یہ انسان بڑے ادب کا انسان ہے۔[۷]

اور پھر ممتاز شیریں ادب کے وسیع مطالعہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کرتی ہیں کہ:

ادب میں انسان کا جو تصوّر سب سے حاوی رہا ہے اور صدیوں تک سب سے نمایاں تصوّر رہا ہے، وہ نامکمل انسان کا تصوّر ہے۔ خواہ یونانی المیوں کے ہیرو ہوں، یا شیکسپیئر کے ڈراموں کے کردار۔ دستووسکی، ٹامس مان اور کافکا کا انسان ہو یا سارتر کا، خود وجودی انسان، یہ سب نامکمل انسان کے مختلف روپ ہیں۔[۸]

لہٰذا منٹو کا بدلا ہوا تصوّر یعنی نامکمل انسان کا تصوّر ممتاز شیریں کو بہت زیادہ متاثر کرتا ہے۔ اسی کو سمجھنے کے لیے ممتاز شیریں منٹو پر پوری کتاب لکھنے کا منصوبہ بناتی ہیں اور باوجود اس کے کہ وہ یہ کتاب مکمل نہ کر سکیں مگر منٹو کی افسانوی دنیا کے بارے میں اپنی یہ نتیجہ خیز رائے مرتب کرنے میں ضرور کام یاب ہوئیں جسے منٹو نے بھی پسند کیا۔

خالص نوری فرشتے کا منٹو کے ہاں گزر نہیں۔ خالص معصوم، نوری فرشتے سے، جس سے گناہ ہونے کا امکان ہی نہیں، فن کار منٹو کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ وہ آدم کی جرأت گناہ کا قائل ہے۔ منٹو کا انسان نوری ہے نہ ناری۔ منٹو کا انسان آدم خاکی ہے۔ وہ وجود خاکی جس میں بنیادی گناہ، فساد، قتل و خون وغیرہ کا امکان ہونے کے باوجود جس کے سامنے خدا نے نوری فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔[۹]

ممتاز شیریں کے ہاں سیاسی (سماجی)، فطری اور نامکمل انسان کے تصوّرات کہاں سے آئے؟ اگر ہم اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ انگلستان کے ادبی حلقوں میں یہ سوال بحث کا موضوع بنا ہوا تھا کہ بیسویں صدی کے ناول انسان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اور بقول حسن عسکری (۱۹۱۹ء-۱۹۷۸ء) "اس نظریے کے مطابق بیسویں صدی کے ناول انسان کے تین تصوّرات پیش کرتے ہیں"[۱۰]۔ ایک سیاسی انسان (سماجی انسان) کا، دوسرا فطری انسان کا اور تیسرا نامکمل انسان کا۔ یہاں حسن عسکری نے جو وضاحت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ممتاز شیریں نے انگلستان کی اس بحث سے پورا استفادہ کیا ہے۔ نامکمل انسان کے بارے میں وہاں کے ادبی گروہوں کا بھی ان دنوں یہ خیال تھا کہ "انسان کا یہ تصوّر سب سے گہرا اور حقیقت آگیں ہے۔ اور سچا ادب صرف اسی کے ذریعہ پیدا ہو سکتا ہے"[۱۱]۔

اور پھر حسن عسکری نامکمل انسان کے اس تصوّر پر یوں مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں:

اگر انسان کے صرف تین ہی تصوّر ممکن ہوں تو یہ رائے (نامکمل انسان سے متعلق) بالکل درست ہے۔ سیاسی یا سماجی

انسان صرف آدھا انسان ہے۔ اگر ہم آدمی کے اندر سماجی تعلقات کے سوا اور کچھ دیکھتے ہی نہ ہوں تو ہم اس کی شدید ترین، اور عمیق ترین زندگی کو حذف کر دیں گے۔۔۔ اسی طرح۔۔۔ فطری انسان میں پھیلاؤ اور لطافت نہیں ہو سکتی۔۔۔ سماجی تعلقات اور سماجی پابندیوں کو قبول کرنے سے آدمی میں جو وسعتیں پیدا ہوتی ہیں فطری انسان میں ان کا امکان نہیں ہوتا۔ نامکمل انسان کے تصوّر میں خوبی یہ ہے کہ فطری انسان اور سماجی انسان کو رد کرتے ہوئے یہ ان دونوں کا مطالعہ بھی کر لیتا ہے اور ان سے آگے بھی نکل جاتا ہے۔ [۱۲]

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب میں بیسویں صدی کے تصوّر انسان کی بحث کے زیر اثر ممتاز شیریں اور حسن عسکری تقریباً ہم خیال ہیں۔

لہٰذا ممتاز شیریں باوجود اس کے کہ منٹو کے ہاں فطری انسان کا مطالعہ بڑی تفصیل سے کرتی ہیں حتیٰ کہ منٹو کے سیاسی انسان کو بھی فطری انسان کا پرتو ثابت کرتی ہیں، مگر یہ طے ہے کہ فطری انسان کو شیریں نامکمل انسان کے مقابلے میں عزیز نہیں رکھتیں۔ لیکن یہ بھی ہے کہ اس پورے تھیسز میں فطری انسان کا جو تصوّر شیریں وضع کرتی ہیں وہ مجرد انسانی فطرت کے تصوّر کو فروغ دیتا ہے یعنی انسانی فطرت طے شدہ نظر آتی ہے۔ انسان کی فطرت کے بارے میں یہ نظریہ سامی مذاہب کا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت طے شدہ نہیں۔ اس سلسلے میں قاضی جاوید ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں؛ لکھتے ہیں:

ہماری مصنفہ (ممتاز شیریں) نے فطری انسان کو فطری جبلتوں اور تقاضوں، خواہشات اور ترغیبات ہیجان اور ترنگ کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ انسان کی یہ جبلتیں اور تقاضے وغیرہ بھی سب کے سب مستقل نہیں ہوتے ان میں سے بعض جیسے بھوک اور جنس مستقل ہیں تو بعض دوسرے جیسے حسد، لالچ وغیرہ، غیر مستقل ہیں اور سماجی تنظیم کی ہر مخصوص صورت مخصوص جبلتوں بل کہ یوں کہیے کہ مخصوص فطرتوں کو جنم دیتی ہے۔ [۱۳]

اس لیے وہ ممتاز شیریں کی اس کتاب کے حوالے سے اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ:

چوں کہ مجرد انسانی فطرت کا کوئی وجود نہیں، اس لیے انسان کا مطالعہ بھی کسی تجریدی یا مذہبی نظام کے حوالے سے نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کی شخصیت ہی نہیں بل کہ اس کی جبلتوں کا بڑا حصہ بھی سماجی نظام کی عطا ہوتا ہے۔ اس لیے انسان کے مطالعے کا آغاز سماجی نظام کے مطالعے سے ہی کرنا پڑے گا۔ [۱۴]

ممتاز شیریں نے منٹو کے نسوانی کرداروں کا بھی تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ اس مطالعے میں انھوں نے اساطیر اور نفسیات کے علم سے بہت مدد لی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ شیریں نے منٹو کے نسوانی کرداروں کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے نہیں کیا کہ منٹو کے ہاں صنف لطیف کی طرف داری ہے کہ نہیں، یا مردانہ سماج میں عورت کی مظلومیت کی عکاسی کی گئی ہے یا نہیں کی گئی وغیرہ۔ کیوں کہ بقول مظفر علی سیّد (۱۹۲۹ء-۲۰۰۰ء) "منٹو کو (اگر) راشد الخیری بننا قبول نہیں تو ممتاز شیریں کو عصمت چغتائی بننا قبول نہیں"[۱۵]۔ اس

لیے شیریں عورت کی فطرت اور نفسیات کے مطالعے پر زیادہ زور دیتی ہیں۔ وہ یہاں بھی فطری اور نامکمل عورت کے تصوّر کو ابھارتی ہیں۔ وہ عورت کو ازلی گناہ کا باعث بھی سمجھتی ہیں اور ترغیب گناہ پر مائل بھی دیکھتی ہیں۔ پھر اسے سماج میں مجبور و بے بس اور گناہ کا کفارہ ادا کرنے والی ہستی بھی جانتی ہیں۔ لکھتی ہیں:

> منٹو کے ہاں ہم عورت کو ان سب مختلف شبیہوں میں دیکھتے ہیں۔
> عورت جس کی فطرت میں کم زوری ہے۔
> عورت جو بدی سے زیادہ قریب ہے۔
> عورت جو صرف بدی ہی بدی نہیں بل کہ معصیت کا مجموعہ ہے، جس میں نیکی اور بدی کی قوت اور کم زوری، بلندی اور پستی ایک ساتھ پائے جاتے ہیں۔
> عورت جو مرد کی بنائی ہوئی سماج میں ایک مظلوم و بے بس شکار ہے۔
> عورت جو اپنے دامن میں (یہ دامن آلودہ سہی) وہ موتی چھپائے ہوئے ہے جو اس کی نسائیت کے خاص موتی ہیں۔ نرمی، محبت، خدمت گزاری اور 'مامتا'۔ عورت جو 'طوائف' بھی ہے اور 'ماں' بھی۔ اور وہ پہلی، ازلی عورت ہے جسے سانپ نے دیکھا تھا جس میں 'معصومیت' بھی مجسم ہے اور ترغیب بھی۔[16]

لہٰذا "ترغیب گناہ" کے عنوان سے شیریں، منٹو کے ہاں ایسی فطری عورت کا مطالعہ کرتی ہیں جو معصوم بھی ہے اور مجسم ترغیب بھی۔ بیگو اور 'بو' کی گھاٹن لڑکی اس ذیل میں آتی ہیں۔ شیریں، ہلاکت اور کلونت کور جیسی بے باک "زور دار" اور خوں خوار عورت کا مطالعہ بھی کرتی ہیں۔ "کفارۂ گناہ" کے زیر اثر وہ منٹو کے نسوانی کرداروں میں "مامتا" کا تجزیاتی مطالعہ کرتی ہیں، اور اس کے لیے وہ مریم کی اسطورہ کو بنیاد بناتی ہیں۔ لکھتی ہیں:

> عورت کی اعلیٰ ترین صورت 'ماں' ہے۔۔۔ مریم ماں کے تصوّر کی اعلیٰ ترین مظہر ہے۔۔۔ کنواری مریم نے اپنی ناکردہ گناہی میں ماں بن کر بچہ کی تخلیق کی اذیت بھی اٹھائی اور اپنے بیٹے کی سولی پر موت بھی دیکھی اور یوں مریم نے عورت کے پہلے ازلی گناہ کا بڑا زبردست کفارہ ادا کیا"۔[17]

منٹو کی عورت کا مطالعہ کرتے ہوئے شیریں نے مغربی ادب کے نسوانی کرداروں اور اساطیر سے اس قدر تقابل سے کام لیا ہے کہ مظفر علی سید کو کہنا پڑا کہ:

> وہ (ممتاز شیریں) منٹو کے یہاں عورت کی شبیہ کو دنیا کے ادب میں بڑی بڑی عورتوں سے اور دیومالائی عورتوں سے ٹکرا کر دیکھتی ہیں اور اس کو ایک Academic Philosophization سی بنا دیتی ہیں۔[18]

جب کہ قاضی عابد نے اس ضمن میں بڑی پتے کی بات کہی ہے کہ "مریم اور یسوع مسیح کی اسطورہ لاشعوری

طور پر ممتاز شیریں کے دماغ پر بہت حاوی ہے۔۔۔ (لہٰذا) ممتاز شیریں نے منٹو کے کئی نسوانی کرداروں کی شباہت دیو مالائی کرداروں میں تلاش کرنے کی جو سعی کی ہے وہ اپنی علمیت کا اظہار زیادہ ہے تنقیدی تناظر کم۔[19]

اس باب کے مطالعے سے ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شیریں تنقید کی بہ نسبت علم سے زیادہ کام لے رہی ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ شیریں لاشعوری طور پر مریم کی اسطورہ کے بہت زیادہ زیر اثر ہیں۔ اس کا ثبوت شیریں کا افسانہ ''کفارہ'' بھی ہے اور ''کفارہ'' پر ان کی اپنی رائے بھی جو تقریباً وہی ہے جس کا اعادہ منٹو کے باب میں کیا جا چکا ہے۔ اپنے افسانوی مجموعہ میگھ ملہار میں لکھتی ہیں:

کفارہ میں یہ تلمیح ہے کہ مریم نے اپنی بے گناہی کے لیے حوا کے گناہ کا کفارہ ادا کیا انھوں نے بیٹے کی پیدائش کی اذیت بھی اٹھائی اور موت کی الم ناکی بھی دیکھی اور یوں مریم کی مجروح ماممتا عورت کے پہلے ازلی گناہ کے کفارے کی سمبل جانی گئی۔[20]

بہر حال شیریں کی اس اسطورہ کے پس منظر میں منٹو کے جس افسانہ پر گہری نظر پڑتی ہے وہ ''سڑک کے کنارے'' ہے۔ یہاں شیریں کو ایسی ہی عورت نظر آتی ہے جو ماں بن کر اپنے گناہ کا کفارہ اپنی بچی کی قربانی سے دیتی ہے۔ جانکی، شاردا اور ممی جو بظاہر طوائف ہیں لیکن اصل میں یہ سب ماں کی فطرت رکھنے والی نسائی عورتیں ہیں۔ ان کی مامتا کا مطالعہ کرنے کے لیے شیریں نفسیات کے علم کو بنیاد بناتی ہیں۔ لہٰذا لکھتی ہیں:

عورت ماں ہے یا طوائف، سوال ان دونوں عناصر میں تناسب کا ہے۔ حد سے بڑھی ہوئی نفسانیت عورت کو طوائفیت کی طرف لے جاتی ہے۔ ورنہ وہ ہوتی ماں ہی ہے۔ ماں اور طوائف بالکل الگ الگ، یعنی منطق کی زبان میں Mutually Exclusive نہیں ہیں کیوں کہ عورت کی ان دونوں قسموں میں کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ عورت ماں بھی ہوتی ہے اور طوائف بھی۔ اور اس کی فطرت کے ان دو متضاد پہلوؤں میں پیہم تصادم اور ٹکراؤ رہتا ہے اور یہ کش مکش عورت کی نفسیات کا ایک بہت اہم پہلو ہے۔۔۔ منٹو کے دوسرے دور کے افسانوں میں عورت اس نوع سے تعلق رکھتی ہے، جو جسمانی اعتبار سے ہرجائی، بل کہ پیشہ ور طوائف ہونے کے باوجود ایک مکمل بیوی اور ماں ہے۔[21]

یوں شیریں؛ جان کی، شاردا، شوبھا، زینت اور ممی میں ایک مکمل ''مامتا'' کی مؤثر تصویر کشی کرتی ہیں۔ اور ''ممی'' کو سب ماؤں کی سرتاج قرار دیتی ہیں۔ کیوں کہ ''ممی'' نہ صرف اپنے قحبہ خانے کی تمام لڑکیوں کی مکمل ماں ہے بل کہ ان کے گاہکوں کے لیے بھی وہ ماں ہے پھر یہ کہ وہ سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں لیے پھرتی ہے۔

پہلے دور میں جب منٹو نے طوائف کو طوائف ہی کے روپ میں پیش کیا تھا تو ”ہتک“ کی سوگندھی اور ”کالی شلوار“ کی سلطانہ خالص طوائف کے مکمل کردار کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ اگرچہ سوگندھی میں ماں کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں لیکن یہ سوگندھی کے کردار کا ضمنی پہلو ہے۔ بنیادی طور پر سوگندھی اور سلطانہ خالص طوائف کی ہی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور منٹو نے خالص طوائف کے کردار کو کیسے پیش کیا ہے؟ اس بارے میں شیریں کی تنقیدی رائے وقعت رکھتی ہے۔ لکھتی ہیں:

> منٹو نے یہ کردار نہایت سچائی اور دردمندی سے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے نیچے درجے کی عام طوائف کی زندگی اور نفسیات کو ہر پہلو سے جانچا ہے۔ منٹو کی اس پیش کش میں نہ تحقیر اور مذمت کا جذبہ کارفرما ہے نہ سستی جذباتیت اور رقت ہے۔[۲۲]

منٹو کے ہاں کلونت کور، رکما، ہلاکت اور لتیکارانی جیسے نسوانی کرداروں کی موجودگی میں اگر کسی کو یہ خیال پیدا ہو کہ منٹو شاید مرد کی بہ نسبت عورت پر زیادہ کڑا ہے تو شیریں اس خیال کی تردید کرنے کو تیار ہیں کیوں کہ شیریں کو منٹو کی تخلیقی دنیا میں مردانہ تعصب کا شائبہ کہیں نہیں ہوتا۔ منٹو اگر عورت کی بدی یا کم زوری یا خوں خواری کو بیان کرتا ہے تو محض عورت کی فطرت کو بیان کرنے کے لیے ورنہ بقول شیریں:

> اگر صنف کے حوالے سے دیکھا جائے تو منٹو نے غیر جانبداری و مروجیت سے کام لیا ہے۔ کھری نیلم کو ریاکار راج کشور پر فوقیت دی ہے۔ بیگو کے ہرجائی پن کا نرمی اور ہم دردی سے تجزیہ کیا ہے۔ اپنے اہم کردار یعنی ”طوائف“ کے لیے منٹو نے ہمیشہ ہم دردی کا مظاہرہ کیا ہے اور جانکی، زینت، شاردا یا ممی میں جو عورت ہے وہ شفقت اور احترام کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ جانکی اور زینت کی سی عورت کی حمایت میں منٹو نے سعید اور شفیق طوسی کی طرح کے مرد کی سخت مذمت کی ہے۔ اس مرد کو وہ ملامت بھری نظر سے دیکھتا ہے جو عورت سے ناجائز فائدہ اٹھائے۔۔۔ منٹو کو شیام کا سا مرد پسند ہے جو عورت کو۔۔۔ خلوص، محبت اور گرمی دے سکتا ہے۔ اور بابو گوپی ناتھ، جو عورت کے سچے خلوص کی سچی قدر کر سکتا ہے۔ ریاکاری اور مکاری سے منٹو کو شدید نفرت ہے۔ خواہ یہ عورت کی ہو یا مرد کی۔ چناں چہ اسے لتیکارانی سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی راج کشور سے۔ جانکی اور ممی سے اتنی ہی محبت ہے جتنی شیام یا بابو گوپی ناتھ سے۔ تاہم منٹو کی ژرف نگاہی سے عورت کی فطرت میں بدی اور کم زوری کا پہلو بھی پوشیدہ نہیں۔[۲۳]

منٹو کے نسوانی کرداروں میں ماما اور طوائفیت کی وضاحت کے دوران معلوم ہوتا ہے کہ شیریں نفسانیت اور طوائفیت میں کوئی فرق نہیں کر پاتیں۔ وہ جب یہ کہتی ہیں کہ ”حد سے بڑھی ہوئی نفسانیت عورت کو طوائفیت کی طرف لے جاتی ہے“[۲۴] تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طوائفیت کے محض نفسی پہلو کو ہی جان پائی ہیں اور ان کی نظر سے طوائفیت کا سماجی پہلو پوشیدہ ہے۔ جب کہ اصل

حقیقت تو یہ ہے کہ طوائفیت بنیادی طور پر ایک مکمل سماجی ادارہ ہے۔ حد سے بڑھی ہوئی نفسانیت، عورت کو جنسی بے راہ روی کا شکار تو کر سکتی ہے اس میں جنسی کج روی تو پیدا کر سکتی ہے مگر یہ لازم نہیں کہ وہ طوائف کا پیشہ بھی اختیار کرے۔ طوائفیت، اول و آخر ایک پیشہ ہے اور اسے جنسی نفسیات کی بہ نسبت سماجی معاشیات کے نظام میں زیادہ بہتر انداز سے سمجھا جا سکتا ہے، کیوں کہ عورت حد سے کم نفسانیت کی حامل ہونے کے باوجود بھی طوائف ہو سکتی ہے۔

منٹو نے ایک بار عارف عبدالمتین کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے جب یہ کہا تھا کہ "طوائف ہر دور میں انسانی سوسائٹی کی ناگزیر ضرورت کے طور پر موجود رہی ہے۔۔۔ ہر سماج طوائف کو جنم دیتا ہے اور دیتا رہے گا"[۲۵]۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ منٹو طوائفیت کو ایک سماجی ادارہ ہی سمجھتا ہے۔ بل کہ وہ تو اسے سماج کی تطہیر کے لیے لازم سمجھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ "اگر طوائف کے ادارے کو ختم کر دیا جائے تو سارا معاشرہ آلودگی کا شکار ہو جائے گا"[۲۶]۔ اور بقول عارف، "منٹو اگر طوائف سے ہم دردی کا اظہار کرتا ہے تو اس لیے کہ سماج اس کی خدمات کے عوض اسے معاشی اور سماجی وقار نہیں بخشتا"[۲۷]۔ اور منٹو کی سوگندھی اور سلطانہ اصل میں سماج کے ان ہی رویوں کا تخلیقی نتیجہ ہیں۔ لیکن شیریں نے اپنے مطالعے کی بنیاد چوں کہ محض نفسیات اور اساطیر کو بنایا ہے اور سماجی علوم (معاشریات، تاریخ، کلچر، اقتصادیات وغیرہ) سے اپنا دامن بچائے رکھا ہے اس لیے ہمیں ان کے ان مطالعات میں بڑی حد تک تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

منٹو پر ممتاز شیریں کی تنقید پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ انھوں نے منٹو کے افسانوں کا فنی تجزیہ بہت کم کیا ہے۔ مظفر علی سید کا کہنا ہے کہ:

> منٹو پر ممتاز شیریں کی تنقید کا سب سے کم زور پہلو یہ ہی ہے۔ کہ ان چند افسانوں کو بھی جن کا تذکرہ ان کے یہاں بار بار آتا ہے۔ انھوں نے قریبی اور تجزیاتی مطالعے کے لیے بہت کم استعمال کیا ہے گویا مجسم تخلیق کی نسبت مجرد خیالات سے نقاد کی رغبت زیادہ ہے۔[۲۸]

یہ بات کافی حد تک درست ہے کہ شیریں بالخصوص فنی تجزیے سے بہت کم کام لیتی ہیں لیکن یہ کم ضرور ہے، نہ ہونے کے برابر نہیں۔ مثلاً "منٹو کی فنی تکمیل" پورا باب منٹو کی دو تحریروں "سڑک کے کنارے" اور "اس منجدھار میں" کا فنی مطالعہ ہے۔ یہاں آپ اس مطالعے سے اختلاف کر سکتے ہیں مگر فنی تجزیے کا انکار نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے اگرچہ کم کم افسانوں کا فنی تجزیہ کیا ہے مگر خوب کیا ہے۔ مثال کے طور پر "ممی" کا بڑا بھرپور تجزیہ ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> افسانہ "ممی" سیدھا سادا افسانہ ہے، اور اس میں فنی خامیاں بہت سی ہیں۔ افسانہ غیر ضروری طور پر ہر سمت میں پھیلتا چلا گیا ہے۔ یہ ہی سب باتیں اور واقعات اس سے نصف طوالت میں سموئے جا سکتے ہیں۔ منٹو کو یہاں بیانیہ پر بالکل قابو نہیں رہا۔ افسانے کے واقعات بجائے خود اتنے پر گو ہیں کہ ان ہی میں ممی کا کردار بیان ہو جاتا ہے۔

> پھر چڈہ کافی بکواس کر تا رہتا ہے۔۔۔واقعات کے بیان اور چڈہ اور دوسرے کرداروں کی گفتگو میں ممی کی مکمل سہ بُعدی شبیہ ابھر آتی ہے۔ لیکن منٹو نے اس پر بس نہیں کی بل کہ خود براہ راست ممی کے کردار پر تبصرہ کرتے جاتے ہیں اور بار بار وہ ہی باتیں دہراتے ہیں جو یوں بھی واضح ہیں۔۔۔ تاہم ممی کا وجود اس طرح چھایا ہوا ہے کہ افسانے میں تناسب، توازن کے فقدان اور ہیئت کی ساری خامیوں کو چھپالیتا ہے۔[۲۹]

بہر حال مجموعی طور پر شیریں کی منٹو پر تنقید منٹو شناسی کے ذیل میں سنگ میل کی سی اہمیت رکھتی ہے اور اوّلیت کا درجہ بھی، کہ پہلی بار اس قدر بھرپور انداز سے منٹو کا مطالعہ ممتاز شیریں کے حصے میں ہی آیا۔ اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو بلاشبہ اس کی اہمیت بھی دوچند ہو جاتی۔ شیریں نے ایک انٹرویو میں اگر یہ کہا تھا کہ ''منٹو پر یہ کتاب اگر مکمل ہوتی یا مکمل کرنے کی اب بھی مجھے توفیق ہوئی اور خدا کرے کہ ہو تو اپنے افسانے ''کفارہ'' کے ساتھ یہ بھی میری سب سے اچھی تخلیق ہو گی کیوں کہ میں اچھی تنقید کو بھی تخلیق کا درجہ دیتی ہوں''[۳۰]، تو غلط نہیں کہا تھا۔

حواشی و حوالہ جات

* لیکچرار، شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف گجرات۔ dr.m.abubakar@uog.edu.pk

** ٹیچنگ اسسٹنٹ، شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف گجرات۔

۱۔ ممتاز شیریں، ''منٹو کا تغیّر اور ارتقا''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء)، ۱۲۶، ۱۳۰-۱۳۱۔

۲۔ ممتاز شیریں، یہ خاکی اپنی فطرت میں''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء)، ۴۵۔

۳۔ ممتاز شیریں، یہ خاکی اپنی فطرت میں''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی، ۴۷۔

۴۔ ایضاً، ۵۴۔

۵۔ ایضاً، ۵۳۔

۶۔ ممتاز شیریں، منٹو ایک اخلاقی فن کار''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء)، ۱۵۷۔

۷۔ ممتاز شیریں، ''منٹو کا تغیّر اور ارتقا''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی، ۱۳۱۔

۸۔ ممتاز شیریں، ادب میں انسان کا تصوّر''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء)، ۱۴۵۔

۹۔ ممتاز شیریں، یہ خاکی اپنی فطرت میں''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی، ۶۰۔

۱۰۔ حسن عسکری، ''آدمی اور انسان''، مشمولہ ستارہ یا بادبان (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء)، ۴۵۴۔

۱۱۔ حسن عسکری، ''آدمی اور انسان''، مشمولہ ستارہ یا بادبان، ۴۵۴۔

۱۲۔ ایضاً، ۴۵۴-۴۵۵۔

۱۳۔ قاضی جاوید، ''منٹو اور ممتاز شیریں''، مشمولہ سعادت حسن منٹو: ایک مطالعہ، مرتب: انیس ناگی (لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۱ء)، ۲۳۰۔

۱۴۔ قاضی جاوید، ''منٹو اور ممتاز شیریں''، مشمولہ سعادت حسن منٹو: ایک مطالعہ، مرتب: انیس ناگی، ۲۳۰۔

۱۵۔ مظفر علی سیّد، ''منٹو۔ ممتاز شیریں کی نظر میں''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء)، ۲۷۔

۱۶۔ ممتاز شیریں، ترغیبِ گناہ''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء)، ۶۴-۶۵۔

۱۷۔ ممتاز شیریں، کفارۂ گناہ''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء)، ۸۶-۸۷۔

۱۸۔ قاضی عابد، اردو افسانہ اور اساطیر (ملتان: شعبۂ اردو، زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء)، ۱۶۶۔

۱۹۔ قاضی عابد، اردو افسانہ اور اساطیر، ۱۶۶۔

۲۰۔ ممتاز شیریں، میگھ ملہار (کراچی: لارک پبلشرز، ۱۹۶۲ء)، ۴۹۔

۲۱۔ ممتاز شیریں، کفارۂ گناہ''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی، ۹۰۔

۲۲۔ ایضاً، ۱۰۴۔

۲۳۔ ممتاز شیریں، ترغیبِ گناہ''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی، ۸۱۔

۲۴۔ ممتاز شیریں، کفارۂ گناہ''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی، ۹۰۔

۲۵۔ عارف عبدالمتین، ''منٹو اور ہمارے غیر معتدل روّیے''، مشمولہ امکانات (لاہور: ٹیکنیکل پبلشرز، ۱۹۷۵ء)، ۲۷۲۔

۲۶۔ عارف عبدالمتین، ''منٹو اور ہمارے غیر معتدل روّیے''، مشمولہ امکانات، ۲۷۳۔

۲۷۔ ایضاً، ۲۷۳۔

۲۸۔ مظفر علی سیّد، ''منٹو۔ ممتاز شیریں کی نظر میں''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی، ۳۴۔

۲۹۔ ممتاز شیریں، کفارۂ گناہ''، مشمولہ منٹو: نوری نہ ناری، مرتب: آصف فرخی، ۱۰۲۔

۳۰۔ ممتاز شیریں، ''آئینہ خانہ (انٹرویو)''، مشمولہ قند مردان (ممتاز شیریں نمبر)، جلد: ۳، شمارہ: ۴- ۵ (مردان: پریمیر شوگر ملز اینڈ ڈسٹلری کمپنی لمیٹڈ، جنوری-فروری ۱۹۷۴ء)، ۱۵۱۔

Bibliography

Abid, Qazi. Urdū Afsānah aur Asātīr. Multan: Shuba-e-Urdu, Zakriya university, 2002.

"Āina Khāna, Aik Interview", in *Qand Mardan, Mumtaz Shireen Number*. Jild 3, Shumara 5. Mardan: Premier Sugar Mills & Distillery Co. LTD, January-February,1974.

Farrukhi, Asif. Ed. *Manṭo: Noorī Nā Nārī*. Karachi: Maktaba-e-Asloob, 1985.

Hassan, Askari. *Sitāra ya Badban*. Lahore: Sang-e-Meel Publications,1994.

Javed, Qazi. "Manṭo aur Mūmtāz Shirīn", in *Sādat Hassan Manṭo: aik Mūtāliā*, ed. Anees Nagi, Lahore: Maqbool Academy, 1991.

Matin, Arif Abdul. "Manto aur Hamāry Ghair Moatdil Ravwaye". in *Imkānāt*, Lahore. Technical Publishers, 1975.

Shireen, Mumtaz. *Maigh Malhār*. Karachi: Larak publishers, 1962.